عالمی یوم اطفال

بنت عامر

''ڈیوڈ! تمام ممبرانِ پارلیمنٹ کو کل شام پانچ بجے ایوانِ صدر پہنچنے کی دعوت دو۔ ایک اہم میٹنگ منعقد کرنی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی تاکید کر دینا کہ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں۔'' صدر صاحب نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا۔

یس سر! میں ابھی اطلاع کر دیتا ہوں۔'' ڈیوڈ نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

اگلے دن تمام ممبرانِ پارلیمنٹ وافسرانِ بالا ایوانِ صدر میں اکٹھے ہوئے۔ ٹھیک 5 بجے صدر صاحب نے کمرے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر خطاب شروع کیا: ''گڈ ایوننگ! آپ تمام حضرات کو یہاں ایک اہم مقصد کے تحت بلایا گیا ہے' جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اگلے ہفتے یعنی 20 نومبر کو عالمی یومِ اطفال ہے' جو ہر سال بچوں کے اعزاز میں منایا جاتا ہے' چوں کہ یہ بچے ہماری قوم کے مستقبل ہیں' للٰذا ان کی حوصلہ افزائی نہایت ضروری ہے۔''

''سر! کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں؟'' وزیرِ خارجہ مسٹر جوزف نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔

''وقت کی پابندی کی پہلے ہی تاکید کی گی تھی' آپ پورے 6 منٹ لیٹ ہیں۔'' صدر صاحب نے ناگواری کا اظہار کیا۔

''سوری سر! کچھ امور کے پیشِ نظر تاخیر ہو گئی۔ میں معذرت خواہ ہوں۔'' مسٹر جوزف نے کہا۔

''آئندہ احتیاط کریں' جو قومیں وقت کی پابندی نہیں کرتیں وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتیں ہیں۔'' صدر صاحب نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''اگر ہم ان باتوں کا خیال نہیں کریں گے تو ہمارے بچے جنھوں نے مستقبل میں مقتدا بننا ہے' ان میں وقت کی پابندی کیسے آئے گی؟ خیر... بات چل رہی تھی عالمی یومِ اطفال کی تو میں عرض کر رہا تھا' کہ میری رائے ہے کہ اس سال حکومت کی طرف سے بھی بچوں کو تحائف دیے جائیں' تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے اور وہ اپنی قدر پہچانیں' للٰذا تمام اسکولوں میں بچوں کے لیے تحفے تحائف تقسیم کرانے کا انتظام کیا جائے۔ آپ حضرات کی اس میں کیا رائے ہے؟''

صدر صاحب نے جواب طلب نظروں سے ہال کا جائزہ لیا۔ اتنے میں ایک افسر کھڑا ہوا اور سِلیوٹ کرتے ہوئے بولا:

''سر! میں آپ کی رائے کو سلام پیش کرتا ہوں' اگر ہمارے حکمران اسی طرح بچوں کی قدر کرتے رہے تو یہ بچے ضرور مستقبل میں اپنے ملک کا نام روشن کریں گے اور ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے گا۔'' اسی طرح تمام افسران نے ہی خوشی کا اظہار کیا۔

''آپ سب کی محبت کا شکریہ! اب آگے کا پروگام سنیں' جو اس سے بھی زیادہ سنسنی خیز ہے' جس طرح ہمارے بچے' ہماری قوم کے مستقبل ہیں اسی طرح مسلمانوں کے بچے بھی ان کی قوم کے مستقبل ہیں' للٰذا اس نقطۂ نظر سے بھی سوچنا ہو گا' کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والے وقت میں ان کی نسل سے پھر کوئی ایوبی یا ابنِ قاسم اٹھ کھڑا ہو۔ اب ہمیں مسلمانوں میں فرقہ واریت کا بیج بونا ہو گا' تاکہ وہ آپس میں ہی قتل و قتال پر مجبور ہو جائیں' اگر مزاحمت کی صورت پیش آئی تو ہم اپنی افواج بھیجنے سے بھی گریز نہیں کریں گے اور بمباری' فضائی حملے کریں گے اور تو اور ہمیں اسکولوں اور ہسپتالوں کو ایسا ہدف بنانا ہو گا' تاکہ مسلمانوں کے بچے تعلیم سے بھی محروم رہیں اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر مر جائیں۔ ان کے بچوں پر کیمیکل گیس پھینکی جائے تاکہ ان کے اعضاء ٹیڑھے ہو جائیں اور وہ بقیہ زندگی مفلوج ہو کر گذاریں۔'' صدر صاحب مکّارانہ انداز میں مسکرائے اور پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

***

ننھا ربیع دن بھر کچرے سے پلاسٹک چنتا رہا اور دن کے آخر میں اس کو بیچ کر فقط اتنے ہی پیسے کما سکا' جس سے ایک سوکھی روٹی خرید سکے۔ ربیع کے والد اور بڑے بھائی سب ہی بمباری میں شہید ہو چکے تھے' للٰذا ربیع دن بھر گھر سے باہر رہتا اور اگر کبھی کھانے کے کچھ ٹکڑے مل جاتے تو وہ اور اس کی والدہ صبر شکر سے کھا لیتے۔

ابھی ربیع روٹی لے کر گھر ہی جا رہا تھا کہ اس نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ایک بوڑھا سڑک کے کنارے کھڑا آواز لگا رہا تھا:

''100 ڈالر میں خریدو! 100 ڈالر میں خریدو...!!''

ربیع نے حیرت سے اس کے ارد گرد دیکھا' جہاں کوئی سامان وغیرہ نہ تھا' جس کو وہ بیچنا چاہ رہا تھا۔

''چچا! آپ کیا بیچ رہے ہیں؟'' ربیع نے حیرت سے پوچھا۔

''میں' میں اپنے اس بیٹے کو بیچ رہا ہوں؟'' بوڑھے نے اپنی اشک بار آنکھوں سے ربیع کے ہم عمر' خوبصورت سی نیلی آنکھوں والے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹا! ہم نے ایک ہفتے سے کوئی چیز نہیں چکھی' ہمارے پاس تو پینے کو پانی بھی نہیں۔ ہم نے اپنا سازمان وغیرہ سب کچھ بیچ ڈالا اور اب تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ میں اپنا بیٹا بیچ رہا ہوں' تاکہ کچھ تو کھانے کو ملے اور ہو سکتا ہے خریدار میرے لختِ جگر کو بھی کچھ کھلا دے۔''

ربیع نے فوراً اپنے پاس رکھی روٹی نکالی اور اس آدمی کو تھماتے ہوئے بولا:

''چچا جی! میرے پاس بس ایک ہی روٹی ہے' آپ خود بھی کھائیں اور اپنے بیٹے کو بھی کھلائیں۔ خدارا اپنے بیٹے کو نہ بیچیں اور اللہ پر توکل کریں۔''

بوڑھا روٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور جھولی بھر کر ربیع کو دعائیں دینے لگا۔ ربیع گھر پہنچا تو اس کی والدہ اس کی منتظر تھیں۔

''کیا ہوا؟ میرا ربیع آج کچھ اداس سا لگ رہا ہے؟'' ماں نے اداس لہجے میں پوچھا' اس پر ربیع نے پورا قصہ سنایا۔ صفیّہ بیگم نے اپنے لال کو گلے لگاتے ہوئے کہا: ''مجھے تم پر فخر ہے ربیع! تم نے ایثار کرتے ہوئے روٹی ان کو دے دی' حالاں کہ مجھے معلوم ہے 3 دن سے تم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ میں اپنی دی ہوئی تربیت پر مطمئن ہوں کہ میرے بیٹے میں آج بھی صحابہ والا ایثار زندہ ہے۔'' اتنے میں ربیع پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''امی جان! کیا کوئی اپنی اولاد کو بیچ سکتا ہے؟ آپ نے کبھی ایسا سنا؟ آج ہم شامی اتنے بے بس' مجبور اور لاچار ہو گئے ہیں کہ اپنی اولادیں بیچ ڈالیں۔ واقعی! بھوک تہذیب کے آداب بھلا دیتی ہے۔''

***

20 نومبر کی سہانی صبح تھی کیتھی نے جاگتے ہی کلینڈر پر نظر ڈالی تو تاریخ دیکھتے ہی وہ خوشی سے سرشار ہو گئی۔ ابھی وہ یونیفارم پہن کر تیار ہونے لگی تھی کہ خادمہ ناشتے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

''گڈ مارننگ کیتھی! ہیپی چلڈرن ڈے...'' مارتھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو!'' کیتھی بھی جواباً مسکرا دی۔

اسکول پہنچتے ہی کیتھی نے اپنی سہیلی جولی سے کہا:

''واؤ' یار...! آج اسکول کتنی خوبصورتی سے سجایا گیا ہے۔ آج تو چلڈرن شو میں مزہ رہے گا۔''

اسکول میں ہر جگہ گہما گہمی تھی۔ گزرنے والا ہر استاد چہرے پر مسکراہٹ سجائے ہیپی چلڈرن ڈے کہہ کر پیغامِ تہنیت دیتا۔

آخر پروگرام شروع ہوا' جس میں بچوں کا تقریری مقابلہ کرایا گیا' بچوں پر نظمیں پڑھی گئیں اور بچوں کو مزے مزے کے کھیل کھلائے گئے اور پھر حکومت کی جانب سے سب بچوں کو ایک گلاب کا پھول اور چاکلیٹ دی گئی۔ کیتھی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اسکول سے واپسی پر کیتھی نے گھر فون کیا:

''ہیلو ماما! آپ کو تو پتہ ہے آج چلڈرن ڈے ہے' اس لیے آج میں لنچ اپنی فرینڈز کے ساتھ باہر کروں گی۔ آپ میرا ویٹ نہیں کیجیے گا۔ اوکے؟''

''اوکے ڈئیر! تم اپنا دن خوب خوشی سے مناؤ۔'' ماما نے خوشی سے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''شام تک لنچ سے فارغ ہو کر جب کیتھی گھر آئی تو یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ گھر میں کوئی نہیں تھا' ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

''ماما! آپ کہاں ہیں؟'' وہ اپنی والدہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چلائی' مگر کسی کو نہ پا کر وہ اپنے کمرے میں آئی تو وہاں بھی خالی دیواریں اس کو منہ چڑا رہی تھیں۔

''آخر سب کہاں چلے گئے؟'' یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی' اتنے میں اچانک سے لائٹ آن ہوئی اور ماما' پاپا کی آواز گونجی:

''ہیپی چلڈرن ڈے...!'' کیتھی ان سے گلے لگ گئی۔

''چلو کیتھی' جلدی سے کیک کاٹو۔'' پھر کیتھی نے موم بتیاں بجھائیں اور خوشی سے کیک کاٹنے لگی۔

***

شہرِ ادلب کی شینخون نامی بستی آتش فشاں کا منظر پیش کر رہی تھی۔ آسمان سے مسلسل بمباری ہو رہی تھی اور زمین پر بھی اللہ کے دین کے دشمنوں نے فائرنگ سے تباہی مچا رکھی تھی۔ کسی کو دن تاریخ کچھ یاد نہ تھا' ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔ صفیّہ بیگم نے ربیع کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی پچھلی جانب سے نکلیں' ان کا رخ پہاڑیوں کی طرف کا تھا' تاکہ چھپنے کی مناسب جگہ تلاش کر کے وہ اپنی زندگیاں بچا سکیں۔

ابھی وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ دور سے آتی ہوئی ایک گولی ربیع کے بازو میں لگی اور وہ گر پڑا' اس کے بازو سے خون کا فوارہ نکل پڑا۔ صفیّہ بیگم نے فوراً اسے گود میں لیا اور ایک محفوظ قدرتی غار میں جا کر پناہ لی۔ ربیع کی حالت بہت نازک تھی۔ خون مسلسل بہہ رہا تھا اور غار سے نکلنا ان کے لیے ممکن نہ تھا' کیوں کہ فائرنگ زوروں پر تھی۔ آخر پوری رات فائرنگ اور بمباریوں کے درمیان گذری۔ صبح کے نمودار ہوتے ہی انھیں محسوس ہوا کہ اب حالات کچھ پر سکون ہو چکے ہیں' للٰذا وہ ربیع کو گود میں لیے ہسپتال کی طرف دوڑیں' مگر یہ دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا کہ ہسپتال کی جگہ فقط اب ملبہ ہی رہ گیا ہے۔ یہ اللہ کے دین کے دشمن جب بھی حملہ کرتے ہیں' سب سے پہلے ہسپتال کو ہی تباہ کرتے ہیں' تاکہ مسلمانوں کے بچوں کا علاج نہ ہو سکے۔

آنسو بھری آنکھیں لے کر صفیہ بیگم وہاں سے نکلیں اور دیوانہ وار ربیع کو گود میں لیے دوڑنے لگیں۔ انھیں کسی ڈاکٹر کی تلاش تھی۔ آخر ایک ٹوٹے پھوٹے کلینک

میں ان کو ایک ڈاکٹر مل ہی گیا۔ صفیہ بیگم نے ربیع کو ڈاکٹر کے سامنے لٹایا۔
''ڈاکٹر صاحب ربیع کی حالت خطرے میں ہے۔ برائے مہربانی اس کا آپریشن کر کے اس کی زندگی بچالیجیے۔'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ پیچھے سے ایک اور عورت گود میں بچہ لیے دوڑتی ہوئی آئی۔
''ڈاکٹر صاحب! اللہ آپ کا بھلا کرے گا' آپ میرے بچے کی جان بچالیجیے۔ حسن شدید زخمی ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے آپ اس کا علاج کر دیں۔'' اس عورت نے روتے ہوئے کہا۔
ڈاکٹر صاحب کبھی ربیع کو دیکھتے تو کبھی حسن کو' پھر گردن جھکائے ہوئے کہا۔
''دراصل بات یہ ہے کہ میرے پاس آلات وادویات وغیرہ میسر نہیں ہیں۔ بس اتنی ہی مقدار ہے کہ میں دونوں میں سے ایک کا آپریشن کر سکتا ہوں۔''
''کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحب! آپ حسن کا آپریشن کر دیں۔ میرا ربیع تو جنت میں جائے گا۔'' جذبۂ ایثار سے سرشار صفیہ بیگم نے کہا پھر ربیع کی طرف مخاطب ہو کر بولیں:
''اے ربیع! تمہیں جنت کی خوش خبری ہو۔ پیارے بیٹے کلمہ پڑھو اور اپنے اللہ سے جا ملو۔''
''نہیں... نہیں! میرا بیٹا جنت میں جائے گا۔ آپ ربیع کا آپریشن کر دیں۔'' حسن کی والدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
اتنے میں ربیع اور حسن دونوں ہی کی زبان سے کلمہ جاری ہوا اور دونوں ہی سوئے جنت سدھار گئے۔ ڈاکٹر صاحب دونوں عورتوں کے جذبہ سے بہت حیران ہوئے اور ان کی آنکھوں سے مسلسل اشک رواں تھے اور ادھر وہ دونوں عورتیں آنکھوں میں آنسو لیے ایک دوسرے کو گلے لگائے اپنے اپنے بیٹوں کے جنت میں جانے پر مبارک باد دے رہی تھیں۔
آج ادلب کی گلیاں بہت سوگوار ہیں۔ آج کے حملے میں بچوں کی خاصی تعداد شہید ہو چکی تھی اور کیمیائی حملے کی وجہ سے بہت سے بچے آخری سانسیں لے رہے ہیں۔
20 نومبر کو دنیا یومِ اطفال مناتی ہے۔ بچوں کے حقوق کے متعلق تقریریں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں اور فریب کاری' ریاکاری کی تقریبیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی یومِ اطفال منایا گیا۔ عین اس دن حلب اور ادلب میں بھی اطفال کی ایک تقریب جاری تھی۔ شہادت کی تقریب جاری تھی۔ آٹھ سالہ ربیع کی لاش... چار سالہ یاسر کی لاش... دو سالہ عنبر کی لاش اور ایک سالہ رحاب کی لاش۔ عالمی یومِ اطفال کی تقریبات میں شامی بچوں کا دستہ بھی شریک ہے' اس دستے کے ہاتھوں میں گلاب ہیں' چہروں پر شہادت کا خضاب ہے۔ ان کی آنکھوں کی چمک عالمی یومِ اطفال کی تقریبات میں جلائی جانے والی شمعوں کی چمک سے بدرجہا حسین ہے۔ ان کی ادائیں' ان کی آنکھوں کا خمار ہے۔ ان کے بے نیاز تیور' ان کے پھولوں کی طرح مہکتے مسکراتے زخم... اللہ! کیا حُسن کا گلشن ہے۔

حلال اِی نمبرز

e926	e941	e951	e962
e927a	e942	e952a	e965a
e927b	e943a	e952b	e965b
e928	e943b	e953	e966
e930	e944	e954	e967
e938	e948	e955	e968
e939	e949	e957	
e940	e950	e959	

خط نمبر 35

محمد دانش

باپ کا بیٹی کے نام خط

دوستوں کا انتخاب

میری سعادتمند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

میری بیٹی ! آپ زندگی کے اُس دور سے گزر رہی ہیں، جہاں سہیلیوں کا جمگھٹا آپ کے قُرب و جوار میں رہتا ہے۔ ہر ایک سے خوش اخلاقی سے ملنا، سلام دعا، ہیلو ہائے رکھنا اچھی بات ہے۔ لیکن جیسا کے شاعر نے کہا ہے :

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرا   دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

آپ کو اپنے حلقے احباب کا انتخاب بڑی سنجیدگی اور سوچ سمجھ کر کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح کتابوں، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے موضوعات کا انتخاب آپ کی سوچ، خیالات اور عمل پر اثر انداز ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ دوستوں کی صحبت انسان کے کردار اور شخصیت پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ دانشوروں کا قول ہے

(A man is known by the company he keep's) یعنی انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں ایک عربی مقولہ ہے۔

مَنْ جَالَسَ السُفَهَا حُقِّرَا   وَ مَنْ جَالَسَ الْعُلَمَا وُقِّرَا

جس نے احمقوں کی صحبت اختیار کی وہ حقیر ہوا   اور جس نے علما کی صحبت اختیار کی اس کی عزت ہوئی

ایک طرف تو والدین کی تربیت بچوں کی کردار سازی کرتی ہے، دوسری جانب اچھی سہیلی اور ان کی صحبت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ بے عیب سہیلی کی متلاشی ہوں، کیوں کہ بے عیب سہیلی تلاش کرنے والا تنہا رہتا ہے۔ ہم سب میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ اپنے دوست میں خلوص، سچائی، نیکی، ذہن اور قدروں کی ہم آہنگی تلاش کریں۔ ملنے جلنے والی چاہے جتنی بھی ہوں، لیکن سہیلیوں کی تعداد مختصر رکھیں تو بہتر ہے، تاکہ آپ باآسانی دوستی نبھا سکیں۔ اس عمر میں کی گئی دوستیاں اکثر زندگی بھر قائم رہتی ہیں۔

یاد رکھنا بیٹی ! دوستوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اچھا چاہنا، دکھ سُکھ میں ساتھ دینا، مشکل وقت میں کام آنا، اعتماد کو ٹھیس نہ لگنے دینا، رازداری رکھنا صحیح مشورہ دینا اور دوستی کا بھرم قائم رکھنا ہی دوستی کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے۔ دوستی کا رشتہ اتنا مضبوط اور مقدس ہے کہ اکثر دوست رشتے داروں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ در حقیقت دنیا کے تمام رشتے اور تعلقات محبت، ایثار اور ایک دوسرے کا احساس اور خیال رکھنے سے مضبوط ہوتے ہیں۔ ورنہ دوستی تو کیا خونی رشتے بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ فارسی کے ایک شعر کے ذریعے دوستی کی حقیقت خوب واضح کی گئی ہے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست   دَر پریشاں حالی و درماندگی

اصل دوست وہی ہوتا ہے جو پریشانی میں اپنے دوست کا ہاتھ تھام لے۔

ایک مخلص سہیلی کا واقعہ ملاحظہ ہو : ایک افشاں نام کی لڑکی کو ٹی وی دیکھ دیکھ کر فلم اسٹار بننے کا شوق پیدا ہو گیا اور یہ شوق بڑھتے بڑھتے جنون کی شکل اختیار کر گیا، چناں چہ ایک دن گھر والوں کو اطلاع دیے بغیر فلم انڈسٹری لاہور روانہ ہو گئی، تاکہ اس کو کسی فلم کے لیے کاسٹ کر لیا جائے۔

کالج کے زمانے سے اس کی ایک گہری سہیلی شائستہ تھی، جس کا گھر میں اکثر اور بیشتر آنا جانا تھا۔ افشاں کے گھر والے اس کی شخصیت، اخلاق اور عادات واطوار سے بہت متاثر تھے۔ حسن اتفاق سے اس کے والد کا لاہور تبادلہ ہو گیا اور سب لوگ لاہور شفٹ ہو گئے۔ افشاں کا موبائل پر اپنی سہیلی سے رابطہ رہتا تھا۔ چناں چہ افشاں لاہور پہنچ کر اپنی اس سہیلی کے گھر جا کر ٹھہری وہ اس کو دیکھ کر خوش تو ہوئی، لیکن اچانک تنہا آنے پر حیران بھی ہوئی۔ اس نے شائستہ کو بتایا کہ وہ یہاں فلم میں کام کرنے کی غرض سے آئی ہے اور بغیر والدین کی اجازت کے گھر سے نکل آئی ہے۔ یہ سہیلی انتہائی سمجھ دار تھی اور افشاں کے مزاج سے بخوبی واقف تھی، چناں چہ اس نے بڑی حکمتِ عملی سے کام لیا۔ سب سے پہلے اُس کی اِس احمقانہ حرکت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے بات کو گھما کر اس کے گھر پر اطلاع دی کہ میرے اچانک ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر وہ میری عیادت کرنے لاہور آئی ہوئی ہے اور انشاءاللہ چند دنوں میں میرے والدین کے ساتھ کراچی پہنچ جائے گی۔

دوسری طرف اُس نے اپنے والدین کو اعتماد میں لے کر فلم انڈسٹری کے ڈائریکٹر کو اپنے والد کے ذریعے فون کروایا کہ ایک لڑکی کو فلم اسٹار بننے کا خبط ہو گیا ہے اور وہ آپ کے پاس آرہی ہے، آپ اُس کو کسی حالت میں بھی اپنی فلم کے لیے منتخب نہ کریں اور یہاں کے ماحول سے خوف زدہ کر دیں کہ ہم سے بہتر یہاں کے ماحول سے کون واقف ہے۔ رات دن فلم کی شوٹنگ ہوتی ہے اور شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے لڑکیاں نہ صرف اپنی صحت خراب کر لیتی ہیں بل کہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ آپ نے یہاں آکر بڑی بھاری غلطی کی ہے اور آپ اپنے ساتھ اپنے خاندان کو بھی رُسوا کروائیں گی۔ غرضیکہ ڈائریکٹر نے افشاں کو اس انداز سے سمجھایا کہ اس کا فلم اسٹار بننے کا سارا نشہ اُتر گیا۔

اس کی سہیلی نے بڑے عزت واحترام سے اپنے والدین کے ساتھ اس کو واپس گھر پہنچا دیا۔ یوں اس مخلص سہیلی نے اس کو رُسوا ہونے سے بچا لیا۔ شائستہ کے اس عمل سے افشاں کے والدین نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

دعا گو

آپ کے ابو

بقیہ سچی خوشی

میرے بھائیوں کو ان کی محرومیوں نے نہ صرف بے حد محنت پر آمادہ کیا، بل کہ عقل سے کام لینا بھی سکھایا۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ پر توکل بھی بے پناہ تھا۔ میں جب اپنی ذات کو بھلا کر ان کی فکر میں ڈوبی تھی۔ یہ عادت ان کی روح میں بھی اتر گئی تھی۔ انھوں نے دوسروں کو حتی المقدور آسانیاں دینا شروع کیں۔ اللہ نے برکت دی اور حالات بدل گئے۔ جگہ تبدیل ہوئی تو والد صاحب کا بھی دل بدلا، ایسے میں وہ محسن سہیلی کبھی نہ بھولی۔

میں کئی دنوں بعد اس کے گھر آئی تھی۔ اسے کسی سوچ میں غرق پایا۔ مجھے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔ کہنے لگی میرے ساتھ بازار چلو گی؟ امی اکیلے جانے نہیں دیتیں۔

بازار جاتے ہوئے وہ چل نہیں، بل کہ اُڑ رہی تھی۔ میرے اصرار پر جو کچھ اس نے گوش گزار کیا وہ کچھ یوں تھا کہ ان کی ایک پرانی پڑوسن بڑے عرصے بعد ان کے گھر آئیں۔ ان کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے۔ ان کا بیٹا، اس کے چھوٹے بھائی کی سائیکل دیکھ کر مچل گیا اور کسی صورت بغیر سائیکل گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ خاتون بہتیرا بچے کو بہلاتی رہیں۔ آخر زبردستی سائیکل سے اٹھاتے ہوئے رو پڑیں، کہنے لگی : یہ آج کل سائیکل کے لیے اسی طرح ضد کر رہا ہے۔ جہاں کہیں سائیکل دیکھتا ہے تو مچل جاتا ہے۔ ہم مزدور لوگ ہیں، ایسی عیاشیوں کی گنجائش نہیں۔

یہ سب ان سے دیکھا نہ جاسکا۔ کالج جانے کے لیے کرائے کے پیسوں میں سے کئی ماہ سے اپنے سوٹ کے لیے کی ہوئی بچت لیے میرے ساتھ بازار ہو لیں۔

بازار سے سائیکل اور اس کی بڑی بہن کے لیے گڑیا لیتے ہوئے میں نے اس کی پراسراریت کا راز پالیا تھا۔ وہ دوسروں کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ رکھتی تھی۔ اس کا دل دوسروں کے درد میں تڑپتا تھا۔ سائیکل سے کھیلتے بچے، گڑیا کو بغل میں دبائے چہکتی بچی۔ خوشی سے چھلکتی نگاہوں اور مبہوت ہو کر خوشیوں کو محسوس کرتی سہیلی نے مجھے ہمیشہ کے لیے جکڑ لیا۔

اب جب میری سہیلیاں مجھے پراسرار کہتی ہیں اور میں انھیں منفرد سی دکھائی دیتی ہوں اور انھیں میری صحبت میں اطمینان محسوس ہوتا ہے تو ایسی باتوں پر میں مسکرا دیتی ہوں اور اپنی سہیلیوں کا سوچتے ہوئے دل سے دعا کرتی ہوں کہ انھیں بھی پراسراریت کے اس راز سے آشنائی ہو۔

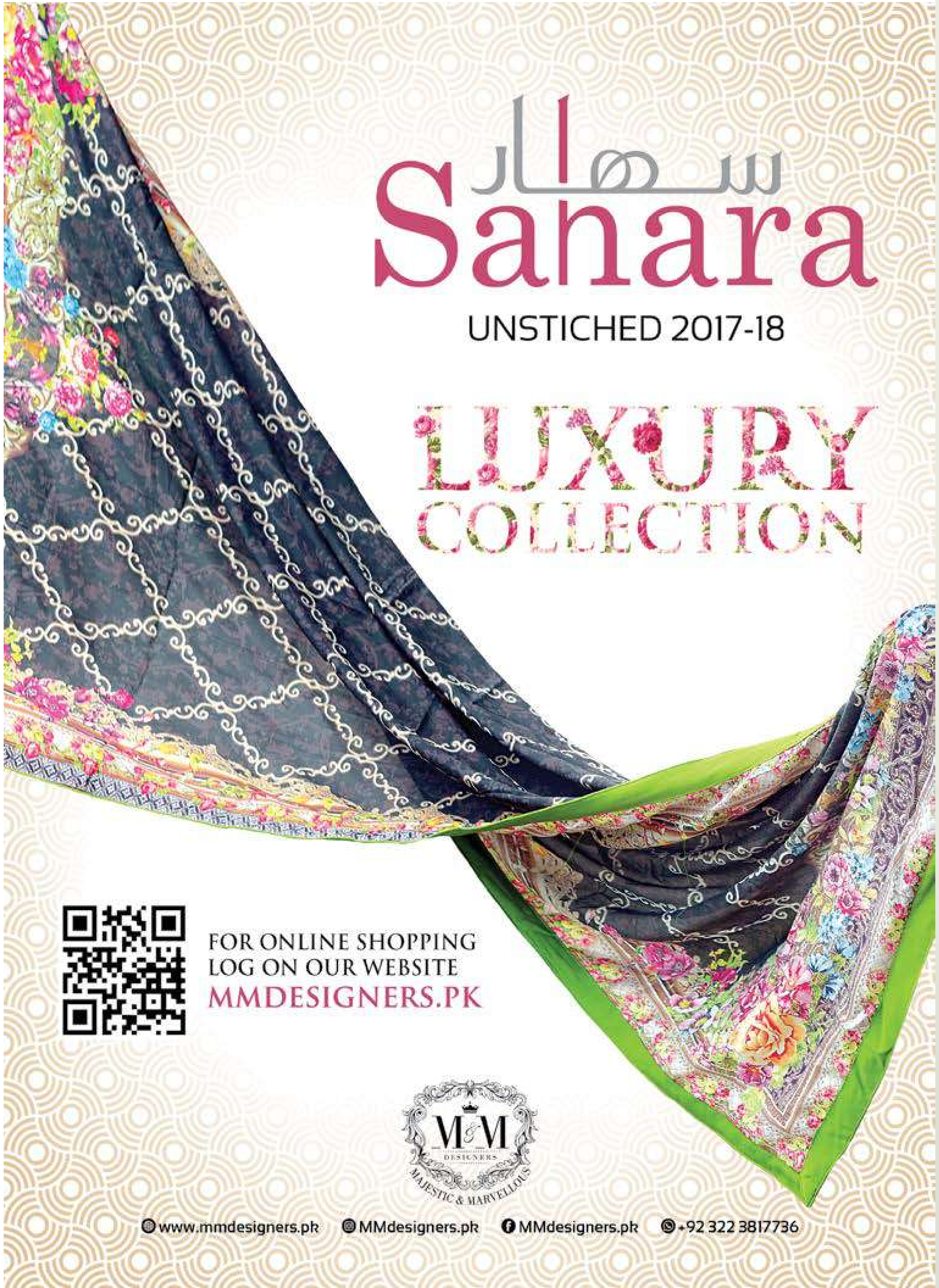

سچی خوشی

آسیہ عمران

تین سالہ بچے کا چہرہ سائیکل پانے کی خوشی میں دمک رہا تھا۔ قریب ہی اس کی پانچ سالہ بہن بڑی گڑیا ہاتھ میں لیے چہک رہی تھی۔ ان کی ماں کے آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ وہ بار بار میری سہیلی کو دیکھتی گویا صدقے واری جارہی ہو اور میری سہیلی وہ گردو پیش سے بے خبر ان معصوم بچوں کی خوشیوں میں گویا کوہِ نور تلاش کرچکی تھی کہ اس کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر سو بکھری خوشی، مسکراہٹیں، چاہتیں اور آنسو مجھے ایک نئی دنیا سے آشنائی ملی تھی۔ وجود کے اندر اترتی انوکھی طمانیت میں نے آج ہی دیکھی تھی۔ مجھے اپنی سہیلی پر رشک آرہا تھا کہ اس ماحول میں خوشیوں کے پھول اگانے والی ایک وہی تو تھی۔

مجھے اپنی سہیلی کے وجود میں ہمیشہ ہی پراسراریت محسوس ہوئی۔ اس معنٰی میں کہ میں نے اس جیسی اور کوئی نہیں دیکھی تھی۔ وہ مجھے کسی اور دنیا کی مخلوق معلوم ہوتی۔

حوادثِ زمانہ سے گھبرا کر میں اکثر اس کے پاس پناہ ڈھونڈتی۔ وہ مجھے ایک ننھے بچے کی طرح سمیٹ لیتی، حالاں کہ عمر میں مجھ سے کچھ چھوٹی ہی ہو گی۔ نہ جانے اس کی شخصیت میں بزرگی کہاں سے اتر آئی تھی۔ وہ مجھے لمحوں میں ہلکا پھلکا کر دیتی اور میں ایک بار پھر اپنے حالات سے لڑنے کا حوصلہ خود میں موجود پاتی۔ میرے والد ایک غیر ذمہ دار شخص تھے اور جوئے نے ان سے غیرت تک چھین لی تھی۔ ان کے نزدیک ہر چیز بکاؤ مال کی حیثیت رکھتی تھی، ایسے میں چھ بہن بھائیوں میں، میں بڑی تھی۔ جو کبھی ماں کے آنسوؤں کو پونچھتی تو کبھی چھوٹوں کے پیٹ بھرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی۔ صبح سے رات گئے تک جاب، ٹیوشن اور پھر گھر کی مصروفیات، ایسے میں جب برداشت کی حد ختم ہو جاتی تو میرے قدم اس کے گھر کی طرف اٹھتے۔ راستہ بھر آنسوؤں کا تھما طوفان اس کے گھر تک پہنچ کر برسات میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ وہ بڑی امید افزا باتیں کرتی۔ رب کریم کی محبتوں اور بے پناہ عنایتوں سے آگاہی دیتی کہ عبادتیں میرے لیے پُر لطف ہو جاتیں۔

وہ ایک بڑا کٹھن دن تھا، جب میرے والد جوئے میں اپنا آخری مکان تک ہار آئے تھے۔ ہم سامان سمیت سڑک پر تھے اور میں کسی گاڑی کے نیچے آکر جان دے دینا چاہتی تھی کہ وہ راستے میں مل گئی۔ گھر لے جا کر اس نے مجھ سے پہلی بار سختی سے بات کی۔ اس نے مجھے کئی مثبت رُخ کچھ ایسے دکھائے کہ میں تڑپ سی گئی، کہنے لگی:

”ماں باپ، بہن بھائی جیسے رشتوں کا ملنا گویا زندگی کے مقصد کا ملنا ہے۔ اگر یہ سب نہ ہوتے تو تمہاری زندگی کا مَصرف کیا ہوتا؟ رب نے تمہیں یہ سب ماحول اس لیے دیا کہ وہ تمہیں سایہ دار درخت بنانا چاہتا تھا کہ تم سایہ دو اور ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں بنو، انسانیت کی خدمت کرو، اپنے لیے جینا بھی کوئی زندگی ہے۔

زندگی تو دوسروں کے لیے جینے کا نام ہے۔ اگر اللہ نے تمہیں اس خود غرض دنیا میں سے چُن کر وہ خاص بندہ بنانا ہے، جو دوسروں کی خدمت کرتا ہے تو یہ مقامِ شکر ہے نہ کہ خود کشی کا مقام ہے اور سنو! اس وقت تمہارے والد کو بھی تمہاری نفرت کی نہیں، بل کہ محبت اور احترام کی ضرورت ہے، کہ دَلدَل سے نکلنے کے لیے بھی کوئی ہاتھ درکار ہوتا ہے۔

یاد رکھو! ذاتِ باری تعالیٰ تو ”کُن“ کہتی ہے اور بس سب کچھ ہو جاتا ہے۔ وہ ذات اگر تمہیں اور تمہارے خاندان کو آسانیاں دینے کے لیے کن نہیں کہہ رہی تو یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے۔ دراصل قدرت تمہارے تینوں بھائیوں کو مضبوط بنانا چاہتی ہے، انھیں بھٹی میں کندن بنا کر نکالنا چاہتی ہے، پھر اس قدرتی عمل کے بعد ایک دن تمہارا ہو گا۔ تمہاری امی اور بہنوں کے لیے آسانیاں ہوں گی۔ بس یاد رکھنا! ایسے وقت ناشکری نہ بن جانا۔ اپنے اس وقت کو یاد رکھنا، دوسروں کے لیے سایہ بنی رہنا۔“ اس کے بعد مجھے رونے کی ضرورت نہیں پڑی۔ چند سالوں میں اس کا کہا لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوا۔

(بقیہ ص 29 پر)

وہی تو ہے

قسط نمبر 4

نفیسہ سعید

”شکر الحمد للہ!“ بے اختیار میرے منہ سے نکلنے والے اس کلمے نے اس کی توجہ میری جانب کر دی۔

”کام ختم ہوگیا؟“ وہ کچھ سوچتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ رامس کچھ اُلجھا اُلجھا سا ہے۔

”جی کام ختم کرتے ہی میں سونے کے لیے لیٹتی ہوں اور یہ بات آپ پچھلے پندرہ سالوں سے جانتے ہیں۔“ اپنے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے میں مسکرا دی۔

”آں...ہاں تم سے ایک بات کرنی تھی۔“

”جی کریں...“ مجھے حیرت تھی کہ رامس ایسا کیا کہنا چاہ رہے ہیں جو انھیں اپنے الفاظ جمع کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔

”آج میں بڑے ماموں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تھا۔“ اتنا کہہ کر اس نے میری جانب دیکھا۔

”پھر...“ میں جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

”جب میں قبرستان سے باہر نکلا تو جانتی ہو مجھے کون دکھائی دیا؟“ اس کے سوال کرتے ہی میں ساری بات سمجھ گئی۔

”احسن مراد...؟“ میرا جواب بھی سوالیہ تھا۔

”ہاں! مگر تمھیں کیسے پتا چلا؟“ اب رامس کے حیران ہونے کی باری تھی۔

”آج صبح وہ مجھے مارکیٹ میں ملا تھا، جب میں گروسری لینے گئی تھی۔“

”اوہ...اچھا، بہر حال مجھے بہت حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ اس جیسا کافر انسان جو زندگی یا موت پر یقین نہیں رکھتا، وہ وہاں قبرستان میں کیا کرنے آیا تھا، جب کہ ماموں جان نے آخری لمحات میں واضح طور پر وصیت کی تھی کہ اسے کبھی ان کی آخری آرام گاہ کے بارے میں نہ بتایا جائے، پھر جانے وہ کیسے وہاں پہنچ گیا۔

چلو خیر... میں نے چاہا کہ اسے اِگنور کر کے نکل جاؤں، مگر وہ بھاگ کر میرے پیچھے گاڑی تک آگیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ خاصا بدل گیا ہے، جس کا اندازہ مجھے اس سے گفتگو کر کے بھی ہوا۔ تبدیلی کا تو مجھے کچھ علم نہیں، مگر شاید وہ کچھ پریشان ہے۔

کچھ نہیں کافی پریشان ہے وہ۔ مامی جی سے مل کر معافی مانگنا چاہتا ہے، وہ تم سے بھی ایک تفصیلی ملاقات چاہ رہا ہے، اگر تمہاری اجازت ہو تو؟“

”میرا اس سے ملنا قطعی غیر ضروری ہے، البتہ آپ صبح جا کر تائی اماں سے بات کریں اور کوشش کریں کہ وہ ایک بار احسن سے مل لیں۔“

اتنا کہہ کر میں نے اپنا تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گئی، جب کہ رامس جان گئے تھے کہ اب میں احسن کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی، لہٰذا وہ بھی خاموش ہو گئے۔

رامس کی انتھک کوششیں رنگ لائیں اور تائی اماں احسن سے ملاقات کے لیے راضی ہو گئیں اور پھر ان دونوں کے درمیان ہونے والی ملاقات کے بعد بہت سی ایسی باتیں ہمارے علم میں آئیں، جنہیں جان کر بے ساختہ میرے منہ سے سبحان اللہ نکل گیا اور ساتھ ہی احسن کی اس قدر پریشانی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔

میں جانتی ہوں کسی کی تکلیف یا دکھ جان کر سبحان اللہ کہنا جائز نہیں، مگر جب پوری بات آپ لوگ سنیں گے تو یقیناً آپ بھی اپنے اللہ کی حمد و ثنا میں اسی طرح کے کلمات ضرور ادا کریں گے۔

تائی اماں کی زبانی مجھے علم ہوا کہ احسن مراد کے تین بیٹے ہیں جو بالترتیب سولہ، چودہ اور بارہ سال کے ہیں اور خدا کی قدرت کے وہ تینوں ایسی پراسرار بیماری کا شکار تھے، جس کا علاج ابھی تک کوئی میڈیکل سائنس دریافت نہ کر سکی تھی۔ ان کی بیماری نے احسن جیسے ملعون اور مغرور شخص کی کمر توڑ دی تھی اور اللہ کے وجود سے منکر یہ انسان، آج اسی رب کی تلاش میں جگہ جگہ دھکے کھا رہا تھا۔ اس کے تینوں بیٹے دس سال کی عمر کے بعد سے مسلسل بخار میں مبتلا رہتے اور پھر چودہ سال تک پہنچ کر ان کے نیچے کا دھڑ قطعی طور پر معذور ہو جاتا۔ اس کے دونوں بڑے بیٹے اس حال کو پہنچ چکے تھے۔

(جاری ہے)

ایک حرف ایک کہانی

گ

نام تو اس کا گوہر تھا لیکن لوگ اسے ”گولو“ کہتے تھے۔ وہ اپنی جسامت میں بہت موٹا اور ایک گول مٹول لڑکا تھا۔ گولو ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ گولو کے گھر میں گھڑونچی پر دو گھڑے رکھے ہوئے تھے جن میں میٹھا اور ٹھنڈا پانی تھا۔ گولو کو جب کھیلتے کھیلتے پیاس لگتی تو وہ سیدھا اپنے گھر جاتا اور ان گھڑوں سے پانی پیتا۔

گولو کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام ”گوگی“ تھا۔ گوگی کو گڑیاں بہت پسند تھیں اور اس کے پاس طرح طرح کی گڑیاں تھیں۔ گولو کی ماں جب گھر کے کاموں سے فارغ ہو جاتی تو وہ سوئیٹر بُنتی۔ گوگی کو اون کے گولوں سے کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔ گولو کو گول چیزیں بہت ہی پسند تھیں۔ اس کے پاس ایک بڑی سی گیند تھی جس سے وہ کھیلتا تھا۔ اسے سبزی میں گوبھی بہت پسند تھی اور اس کے علاوہ گاجر کا حلوہ بھی وہ بہت شوق سے کھاتا تھا جو اس کی اماں ہر سردیوں میں اصلی دیسی گھی سے بناتی تھیں۔ گولو کو گوشت کی بریانی بھی بہت پسند تھی جو وہ اپنی ماں سے ہر ہفتے ضد کر کے پکواتا اور پھر مزے مزے سے کھاتا تھا۔ گولو کے پاس ایک گائے تھی جسے وہ ہر روز صبح سویرے گھاس چرنے کے لیے جنگل میں لے جاتا تھا۔ گولو کا ایک دوست تھا جس کا نام ”گڈو“ تھا۔ گڈو کے پاس ایک سفید گھوڑا تھا۔ گولو کی گائے اور گڈو کے گھوڑے میں بڑی دوستی تھی۔ دونوں ایک ساتھ جنگل میں گھاس چرتے تھے اور اس دوران گولو اور گڈو کھیلتے تھے۔ ایک دن وہاں سے ایک گدھا گزرا جو بہت کمزور تھا۔ وہ گندم کے کھیت سے آیا تھا۔ اس گدھے کا مالک ایک کمہار تھا جو گھڑے بناتا اور اس گدھے پر لاد کر گھر گھر فروخت کرتا تھا۔ وہ اس گدھے سے بہت کام لیتا تھا مگر اسے کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں دیتا تھا۔ یہ کمہار گولو کا چاچا تھا۔ گولو اور گڈو نے اس گدھے کو پیار کیا اور اسے خوب گھاس کھلائی۔ جب شام گہری ہونے لگی تو وہ دونوں چاچا کمہار کو سمجھانے اس کے گھر گئے۔ ان کی بات سن کر چاچا کہنے لگا: ”میں گدھے کو کیا کھلاؤں؟ یہاں تو ہم بھی بھوکے رہتے ہیں کیوں کہ گھڑے اب بکتے نہیں اور لوگ اب صراحی خریدنے لگے ہیں۔“ چاچا کی بات سن کر گڈو اس سے بولا: ”چاچا! آپ کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟“

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں گولو کی چاچی ان کے لیے گول گپّے بنا کر لے آئی۔ اچانک گولو نے اپنے چاچا کو کہا: ”چاچا! آپ گول گپّے بیچنے لگو۔ انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں گے۔“

گولو کی بات سن کر گڈو بھی بول پڑا: ”ہاں چاچا! بچے ‘بڑے سب بہت شوق سے گول گپّے کھائیں گے۔“ دوسرے دن چاچا اور گولو نے گول گپّے کا ٹھیلا لگا دیا۔ چاچا نے ایک تختے پر ”گولو کے گول گپّے“ لکھوا دیا۔ گولو اپنے چاچا کے ساتھ گول گپّے بیچنے لگا۔

آیا گول گپّے والا آیا	لایا گول گپّے لایا
آؤ بچو! لو گول گپّے	کھاؤ اور بنو گول گپّے
آیا گول گپّے والا آیا	لایا گول گپّے لایا

گولو کے گول گپّے خوب بکنے لگے۔ چاچا کے پاس اب پیسے آنے لگے اور اس کا گدھا بھی اب تگڑا ہو گیا تھا۔ گولو اپنے چاچا کی مدد کرنے پر بہت خوش تھا۔

گھڑا	مٹکہ	گھڑونچی	مٹکہ رکھنے کی خاص جگہ
گوبھی‘ گاجر	سبزیاں	گندم	اناج
گول گپّے	کھٹے میٹھے چھلکے		

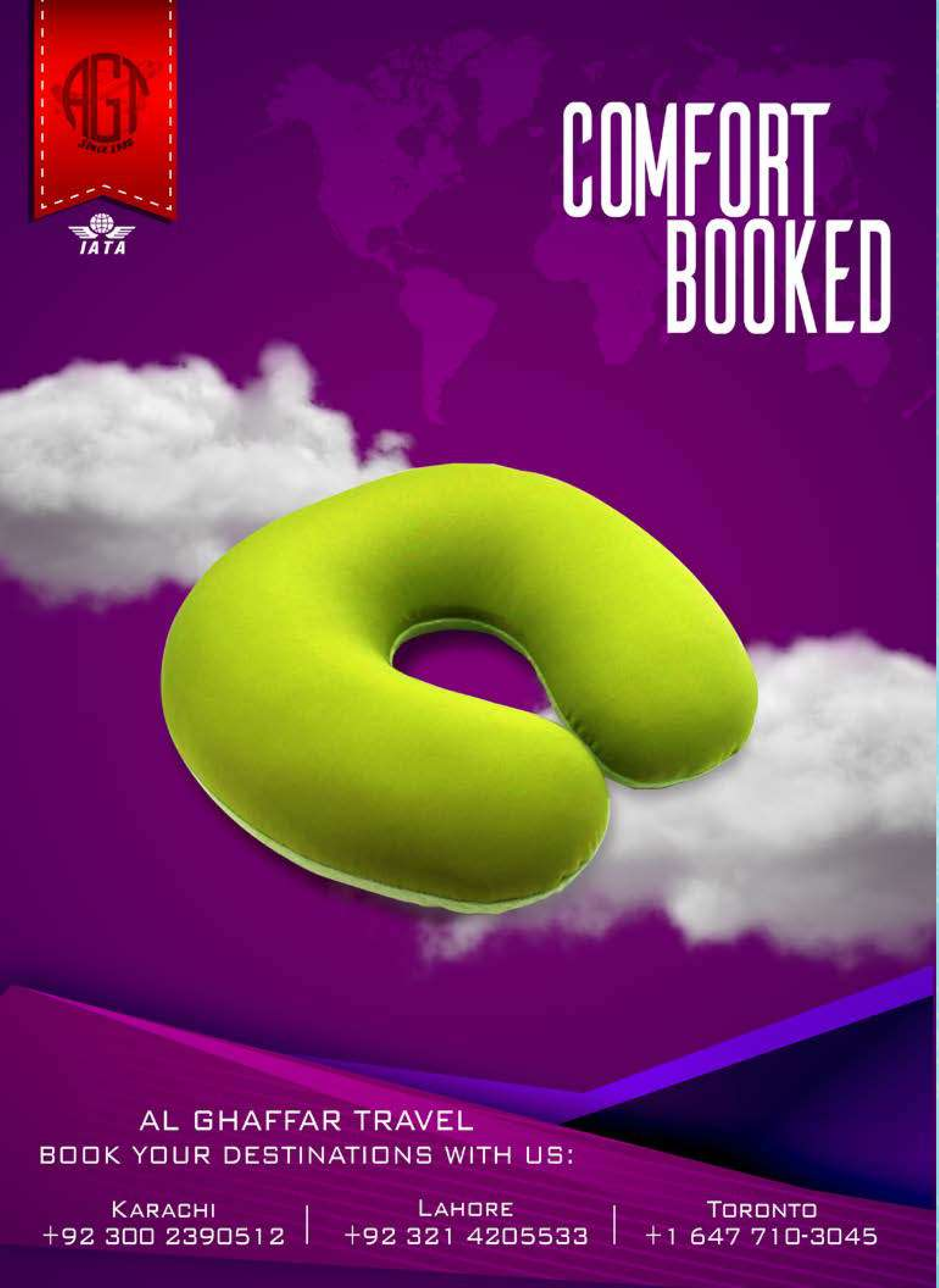

ننھے ادیب

مثالی مسلمان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دو طالبِ علم ایک درس گاہ میں پڑھتے تھے اور وہ دونوں بہت پکے دوست تھے۔جب بھی اسکول میں انھیں کوئی طالب علم اکیلا بیٹھا ہوا نظر آتا یا اکیلا لنچ کرتا ہوا نظر آتاتو وہ اس کے پاس جا کر اسے بہت تنگ کرتے اور کبھی تو اس کا لنچ بھی چھین کر کھا لیتے اور واپس گھر جاتے ہوئے اس طالبِ علم کا پورے راستے تذکرہ کرتے کہ آج ہم نے اسے ایسے تنگ کیا اور آج ہم نے اسے ویسے تنگ کیا۔

ان دونوں کی ان عادتوں سے سارے اسکول کے اساتذہ پریشان تھے' ایک دن اسکول والوں نے تنگ آکر ان کے گھر پر اس بات کی اطلاع دی کہ آپ کے بچے ہمارے اسکول میں دوسرے بچوں کو متنفر کرنے کا باعث بن رہے ہیں لہٰذا آپ اپنے بچوں کو سمجھا دیں ورنہ اسکول ان سے معذرت کر لے گا۔

جب وہ دونوں دوست اپنے گھر پہنچے تو ان کے والدین نے ناراضی کا مظاہرہ کیا۔بچوں کے دریافت کرنے پر ان کے والدین نے ان کی اسکول کی شکایتیں ان کو بتائیں،جو اسکول والوں کے ذریعہ ان کے والدین کے سننے میں آئیں تھیں۔انھوں نے اپنے بچوں کو سمجھایاکہ یہ بات سہی نہیں ہے کہ آپ دوسروں کو تنگ کرنے کا باعث بنیں۔جو دوسروں کو تنگ کرتا ہے ایسا شخص کبھی بھی اللہ کی پکڑ سے محفوظ نہیں رہتا۔قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے کہ جس دن وہ پکڑ کرتا ہے تو انسان اپنی نظریں اٹھانے کے لائق بھی نہیں رہتا اور آپ ﷺ بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے' بل کہ جو ان کو تکلیف دیتا ،پہنچاتا تو آپ ﷺ ان کے لیے دعائے خیر فرماتے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان شخص تو وہ ہے ،جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔"یہاں آپ ﷺ کے اس قول سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ شخص تو کامل مسلمان ہی نہیں ،بل کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔لہٰذا دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے،بل کہ ان کی راحت کا خیال رکھا جائے۔اس کے بعد بچوں نے یہ عزم کیاکہ آج کے بعد ہم کسی کو تنگ نہیں کریں گے،بل کہ ان کی راحت کا خیال رکھیں گے اور ایک مثالی مسلمان بن کر لوگوں کو بھی اس کا درس دیں گے

محمد نبیل ثالثہ جامعہ بیت السلام کراچی

جدائی کے آنسو

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ! کیا حال ہے دوست؟ کیسا رہا یہ حج کا مبارک سفر اور یہ دن و لمحات...؟؟"خزیمہ عمیر کے گھر کی بیٹھک میں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوا۔"الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے۔ہمہ وقت نیکیوں میں گزرا۔"عمیر خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"ہمیں بھی یاد کیا آپ نے اس سفر میں؟"خزیمہ نے پوچھا۔"ہاں یار،تم جیسے دوست تو ہر دعا میں میرے ساتھ رہے۔"عمیر اب تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

"کہیں بھولے تو نہیں؟"خزیمہ بھی جیسے پیچھے پڑ گیا۔"تمہیں تو بھولنا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"عمیر بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"چلو یار چھوڑو اس بھولنے کو،یہ مبارک سفر نامہ تو کچھ سناؤ۔"خزیمہ نے ایک بار پھر عمیر کو بولنے پر مجبور کیا۔ عمیر نے "الف "سے لے کر" یا"تک پوری آپ بیتی سنا ڈالی۔آخر میں کہاکہ "یارمیں جب آخری بار کعبہ کو دیکھ رہا تھاتو ایسا لگ رہا تھا کہ گویامیری روح ہی کھینچ لی گئی ہے۔"بے اختیاراس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ یہ بتا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ خزیمہ اس کو تسلی دیتے ہوئے خود بھی رو پڑا اور پھر دونوں کافی دیر تک مسلسل روتے رہے۔

محمد عثمان ساجد، عربی لینگویج جامعہ بیت السلام کراچی

Hey ماہنامہ فہمِ دین

ماہنامہ فہمِ دین نومبر کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: ہالہ دوپٹہ میں کیا چھپا کے لائی تھی؟

سوال نمبر 2: وہ کونسا پرندہ ہے جس کے ایک پر میں بیماری اور ایک میں شفا ہے؟

سوال نمبر 3: شیرو کا خریدار کون تھا؟

سوال نمبر 4: افنان کے بکرے کو کیا ہوا تھا؟

سوال نمبر 5: بشر حافیؒ کس بزرگ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں ایسا مرتبہ رکھتے تھے، جیسے ابو بکرؓ اور عمرؓ اپنے زمانہ میں رکھتے تھے؟

پیارے بچو...!!

کیا آپ کو معلوم ہے انسان کی زندگی کیا ہے؟؟

برف کی مانند پگھل رہی ہے۔ ہر لمحہ پگھل رہا ہے۔

ہر ہر لمحہ کو ہم نے قیمتی بنانا ہے... اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہ کر۔

کوئی بھی جسمانی کام کرتے ہوئے زبان فارغ ہوتی ہے تو کیوں نہ ہم ہر لمحہ اللہ کے ذکر میں گزار دیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”جنت میں جانے کے بعد اہلِ جنت کو دنیا کی کسی چیز کا قلق اور افسوس نہیں ہوگا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔“

تو پیارے بچو...!!

کیوں نا ہم ہر لمحہ ذکر کر کے اس افسوس سے بچ جائیں...!!!

تو کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ...؟؟؟

ستمبر کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا، جس سے شرمندگی ہو، کیوں کہ اللہ ہمیشہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔

سوال نمبر 2: ارسل کو۔

سوال نمبر 3: ناظر کو۔

سوال نمبر 4: معزز مہمان۔

سوال نمبر 5: کھلونوں کی۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں،
یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کردیں۔

اگست کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...بشریٰ سلیم، 12 سال، پنجم، کراچی

2...ثانیہ طاہر، 10 سال، چہارم، کراچی

3...محمد معاویہ، 12 سال، حفظ، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں، ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں، پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل، دوم، سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

موج تبسم

آسمانوں میں پریشر ککر

ابنِ تبسم

”موج تبسم“ کے سلسلے میں ہمارے پیارے قارئین بہت کچھ ہمیں ارسال کرنا چاہتے ہیں، مگر انور مسعود کے اس شعر پر خوب عمل ہو رہا ہے

انور نہ ڈال کل پہ کام آج کا میرے عزیز! تُو اسے پرسوں پہ ڈال دے

مولیا ایبٹ آباد سے عمیر عباسی نے ”مسکراہٹ کی بارات“ پڑھ کر پیغام بھیجا کہ

”موج تبسم“ معاشرے کے سیلاب میں آچکی ہے

اس جملے سے لطف اندوز ہونے کے لیے کسی اردو ادیب کی رہنمائی لیں۔

خانیوال سے ابنِ یوسف فرمانے لگے: اپنی بچپن کی نادانی کا ایک حسین واقعہ یاد آتا ہے۔ بھولے بچپن کے یادگار دِنوں میں ایک بار پتنگ خریدنے کے لیے امی جان سے پیسوں کا مطالبہ کیا۔ جب مطالبہ منظور نہ ہوا تو گھر سے پریشر ککر اُٹھا کر چند ٹکوں کے عوض بیچ ڈالا اور پھر اُن پیسوں سے اپنا شوق پورا کیا اور کمال یہ ہے کہ پتنگ آسمانوں کو چھوتا ہوا بالآخر ہمیں چھوڑ گیا، لیکن اس واقعے کو بیس سال ہو چکے گھر والوں کو آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ پریشر ککر ہم نے آسمانوں تک پہنچا دیا۔

قارئین! ہم نے ابنِ یوسف سے معذرت کر لی کہ یہ واقعہ کبھی نہ لکھیں، کیوں کہ اس سے بچوں کے خراب ہونے کا خطرہ ہے، البتہ غلطی سے ہم نے خود یہ واقعہ سپردِ قلم کر ہی دیا۔ اب ذرا اپنے اپنے باورچی خانہ کے پتیلوں، دیگچیوں اور برتنوں کا خاص خیال رکھیں۔ ادارہ فہمِ دین ذمہ دار نہ ہو گا۔

میلسی سے محمد اطہر فتح پوری شورش کاشمیری کی کتاب ”نورتن“ سے مجید لاہوری کا لطیفہ پیش کرتے ہیں۔ مجید لاہوری مشہور صحافی گزرے ہیں۔ اُن کا چہرہ مہرہ اور فربہی جسم (موٹاپن) ہی ایسا تھا کہ لوگ اُن پر ایک نگاہ ضرور ڈال لیتے۔ رکشے والے تو انہیں دیکھتے ہی بھاگ جاتے، کیوں کہ کچھ عرصہ قبل سائیکل رکشے چلا کرتے تھے، یعنی ڈرائیور پیڈل گھما کر سائیکل رکشہ چلاتا تھا، جس میں تمام طور پر دو سواریوں کی گنجائش ہوتی، اگر کسی سواری کا وزن زیادہ ہوتا تو سائیکل رکشے کے ڈرائیور کو کافی زور لگانا پڑتا، اس لیے عموماً موٹے لوگوں سے پہلے ہی معذرت کر لی جاتی۔ مجید لاہوری کو بھی سائیکل رکشے والے دیکھ کر شاذ ہی رکتے تھے۔ بعض سائیکل رکشے والے مذاق بھی کر جاتے۔ مثلاً ایک دفعہ بہادر شاہ ظفر مارکیٹ سے بزنس روڈ پر جنگ کے دفتر میں جانا چاہتے تھے۔ خالی سائیکل رکشے آ جا رہے تھے، وہ پکار رہے ہیں: اے لڑکے! ذرا رکنا۔ لیکن لڑکا ایک نگاہ ڈال کر نکل جاتا ہے۔ ایک نوجوان رُک گیا۔ کہاں جاؤ گے سیٹھ صاحب؟

”سیٹھ صاحب؟؟“ مجید نے حیرت سے کہا: بھئی! ہم تو مزدور ہیں“

”تو معاف کیجیے! مزدور کے لیے یہ رکشہ نہیں ہے۔ پیدل جاؤ“ اور سائیکل رکشے والا ایڑھ لگا کر فرَوٹ ہو گیا (بھاگ نکلا)۔ ایک اور سائیکل رکشہ روکا: ”کہاں؟“

”بزنس روڈ“

”معاف کیجیے! آپ کو ایک پھیرے میں لے جانا مشکل ہے۔“ اور یہ جا وہ جا۔

رشید اختر ندوی اور مجید دونوں ہم وزن تھے۔ ندوی قد آور تھے، مگر وزن دونوں کا ایک ہی تھا۔ دونوں رکشہ میں سوار ہو گئے۔ سائیکل رکشے والے کی سانس پھول گئی تو بھی وہ ہانپتا کانپتا رکشہ لیے جا رہا تھا۔ خون پسینہ ایک ہو گیا۔ مجید کو راستہ میں کسی نے ہاتھ دے کر روکا اور وہ رُک گئے۔ رشید اختر ندوی بھی اُتر کر ملاقاتی کی طرف بڑھے۔ سائیکل رکشے والے نے غنیمت جانا۔ پیڈل پاؤں مارا اور بھاگ نکلا۔ مجید نے بھاگتے دیکھا تو پکار کر کہا: ”ارے بھائی! کہاں جا رہے ہو؟ پیسے تو لے جاؤ۔“

رکشے والے نے مُڑ کر صدا دی: اگر زندگی ہے تو کہیں اور سے کما لوں گا۔“ رکشہ گدھے کا بوجھ اُٹھانے کے لیے نہیں ہے۔

برما لہولہان ہے

ظالم یہ بھول بیٹھا، خدا دیکھ رہا ہے

جوہر عباد

یارب! تیری دنیا میں کیا اندھیر مچا ہے
ظالم باہر، مظلوم کٹہرے میں کھڑا ہے

ملتی نہیں تاریخ میں جس کی کوئی مثال
برما کے مسلمانوں پہ وہ ظلم ہوا ہے

مارا ہے ان کو ایسے اطمینان سے جیسے
اقوام متحدہ نے یہ بِل پاس کیا ہے

غربت کے ستائے ہوئے نہتّے مسلمان
فرعونیت نے جن پہ دھاوا بول دیا ہے

پہلے ہی تھے پابندیوں میں جکڑے بے چارے
جینے کا حق بھی اب تو اُن سے چھین لیا ہے

ہوتا نہیں ہے جانوروں پر بھی یہ ستم
جیسے مسلمانوں کو چیر پھاڑ دیا ہے

یوں دیکھ کے بکھرے ہوئے اعضائے انسانی
ہر دل ہی خونی آنسوؤں سے رونے لگا ہے

بچوں و عورتوں کو بھی بے دردی سے مارا
ظالم یہ بھول بیٹھا، خدا دیکھ رہا ہے

تھا جرم بس اتنا کہ مسلمان تھے سارے
سب کو اسی وجہ سے تہہِ تیغ کیا ہے

کھولی نہ تھیں اپنوں نے بھی تو اُن پہ سرحدیں
غیروں کو کیا کہیں، انھیں اپنوں سے گِلہ ہے

ہمت نہ ہارو! اہلِ اراکان و روہنگیا
جس کا کوئی ہوتا نہیں ہے اُس کا خدا ہے

تاریخ بتاتی ہے کہ ہر ایک دَور میں
اسلام کو مٹانے والا خود ہی مٹا ہے

خاموش ہیں، حقوقِ انسانی کی تنظیمیں
مغربی میڈیا بھی کہیں سویا پڑا ہے

اب ہیں کہاں وہ تنگ نظر، دنیا کے ٹھیکیدار
ذہنوں میں جن کے صرف، تعصب ہی بھرا ہے

دنیا سے چھپایا، میانمار اتنا بتا دے
جو کچھ بھی کیا تُو نے کیا، اللہ سے چھپا ہے؟

انسانیت پر دھبّہ ہیں یہ وحشی درندے
ہر ایک ہی نمرود اور فرعون بنا ہے

مت کر تُو اپنی طاقت و قوت پہ یوں گھمنڈ
کہ سامنے اللہ کے مظلوموں کی آہ ہے

بھولے ہوئے ہیں موت یہ شیطان کے چیلے
کیا جانتے نہیں فرعون کی جو سزا ہے

پہنچیں گے جلد کیفر و کردار کو یہ لوگ
رب کی پکڑ سے کوئی بچا تھا، نہ بچا ہے

شاباش! اے ترکی کے صدر طیّب اردگان
جو تُو نے کیا، ہر دلِ مسلم کی صدا ہے

جو مر مٹے اسلام پہ کہلائیں گے شہید
ان کے لیے جنت کا ہر دروازہ کھلا ہے

اترے جماعت اُن پہ فرشتوں کی مدد کو
پروردگار! آپ سے جوہرؔ کی دعا ہے

صابر مجید، 14 سال، کروان بیت السلام کراچی

معاویہ فضل، 6 سال، کے جی ٹو کراچی

حذیفہ نذیر 11 سال لیول ون بیت السلام کراچی

عذرا 10 سال، چہارم کراچی

بچوں کے فن پارے

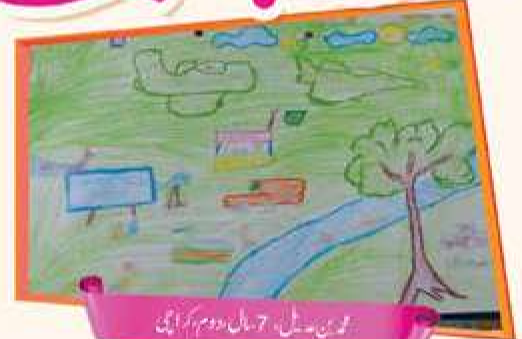

محمد بن سہیل، 7 سال، دوم کراچی

دعا فاطمہ، 10 سال، ہفتم کراچی

عبداللہ 7 سال، سوم کراچی

سمیکہ ریحان، 12 سال، ہشتم کراچی

مدثر بن سہیل، 5 سال، کلاس اول، دی انٹیلیکٹ اسکول صدر کراچی

حبیب الدین، 11 سال لیول ون بیت السلام کراچی

MILLAT™
Quality Plastic Products

PARUS PLASTIC (Pvt) Limited.
Phone: +92 21 32593162, 0324 2266627, 0331 00PARUS (0072787)
E-mail: trade.enq@parusplastic.com | Website: www.parusplastic.com
Customer Feedback: cus.feedback@parusplastic.com

MANUFACTURER OF
• Kitchen Ware
• Bathroom Ware
• House Hold
• Food & Other Packagings

گلدستہ

حمدِ باری تعالیٰ

میں تیری حمد لکھتا ہوں، عطا حسنِ بیاں کر دے
زمینِ شعر کو مدحت کا یارب! آسماں کر دے
وہ اِک سجدہ عطا اے خالقِ کون و مکاں کر دے
جو میری بندگی کو بے نیازِ آستاں کر دے
اگر اُلفت مِری سچ ہے تو دے اجرِ وفا مجھ کو
اگر یہ جھوٹ ہے یارب! تو مجھ کو بے نشاں کر دے
کوئی پوچھے ابوذرؓ سے تِری بندہ نوازی کو
کرم ہو جائے تو رہزن کو میسر کارواں کر دے
وہی پہلی سی توفیقِ عمل دے اپنے بندوں کو
الٰہی پھر اذانوں کو مجاہد کی اذاں کر دے
وہی افسانۂ غم مجھ سے جو دنیا نہیں سنتی
جو تُو چاہے تو دنیا کہتے کہتے داستاں کر دے
دلوں کو موڑ دینا صرف اس کا کام ہے فرحتؔ
وہ جب چاہے زمانے بھر کو تجھ پر مہرباں کر دے

فرحتؔ لکھنوی

مغربی تہذیب اور مسلم ممالک

اقبالؒ کا پختہ عقیدہ ہے کہ مغربی تہذیب ممالکِ اسلامیہ کو ہر گز نجات نہیں دلا سکتی،نہ ان کے مسائل کو حل کر سکتی ہے،نہ ان میں نئی زندگی کی روح پھونک سکتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ"جو تہذیب اپنی موت آپ مر رہی ہے،وہ دوسروں کو زندگی کب دے سکتی ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیوں کر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور

مغرب نے ہمیشہ مشرقی ممالک کے احسان کا بدلہ احسان فراموشی اور کافر نعمتی سے اور بھلائی کی جزا برائی سے دی ہے۔شام نے مغرب کو حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت دی،جن کا پیام عفت و عصمت اور غم خواری و رحمت،برائی کے بدلے بھلائی،ظلم کے مقابلے پر عفو تھا،لیکن مغرب نے شام پر اپنے قبضے کے دوران خمر و قمار،بے پردگی اور آوارگی کے سوا کوئی تحفہ نہیں دیا:

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوریا نے کیا
نبیِ عفت و غم خواری و کم آزادی
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

(نقوشِ اقبالؒ(۸۰-۷۹)مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سحر سے شام تک اَور شام سے ہم تا سحر لکھیں
قلم جب تک چلے ہم مدحت خیرالبشر ﷺ لکھیں
کبھی یٰسین، کبھی طٰہٰ، کبھی شمس و قمر لکھیں
مرے سرکار ﷺ کو لکھیں تو شاہِ بحر و بر لکھیں
کروڑوں سال تک مدحت لکھیں پھر بھی نہ لکھ پائیں
سمندر بھر سیاہی ختم ہو جائے اگر لکھیں
خدا نے لکھ دیا تورات میں انجیل میں مژدہ
محمد ﷺ آئیں گے، وہ آگئے ہم کیا خبر لکھیں
بس اتنا علم ہے وہ ﷺ پل میں پہنچے پل میں لوٹ آئے
پہ جبریلؑ مل جائے تو رودادِ سفر لکھیں
ہزاروں نیکیاں ملتی رہیں ہر حرفِ مدحت پر
زمیں والے اِدھر لکھیں فلک والے اِدھر لکھیں
سند فردوس کی مل جائے گی اللہ کے در سے
ثنائے رحمتِ کُل ڈوب کر حیرت اگر لکھیں

حیرتؔ الہ بادی

ماہِ صفر کے ساتھ "مُظفّر" لگانے کی وجہ

عام طور پر صفر کے ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگایا جاتا ہے،یعنی کہا جاتا ہے"صفر المظفر" یا"صفر الخیر"۔ اس کی عام وجہ یہ ہے کہ مظفر کے معنٰی کامیابی و کامرانی والی چیز کے ہیں اور خیر کے معنٰی نیکی اور بھلائی کے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں کیوں کہ صفر کے مہینے کو منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا اور آج بھی اس مہینے کو بہت سے لوگ منحوس ،بل کہ آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہونے والا سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اس مہینے میں خوشی کی بہت سی چیزوں(مثلاً شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات)کو منحوس یا معیوب سمجھتے ہیں،جب کہ اسلامی اعتبار سے اس مہینہ سے کوئی نحوست وابستہ نہیں اور اسی وجہ سے احادیث مبارکہ میں اس مہینہ کے ساتھ نحوست وابستہ ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔اس لیے صفر کے ساتھ "مظفر" یا "خیر" کا لفظ لگا کر "صفر المظفر" یا "صفر الخیر" کہا جاتا ہے،تا کہ اس کو منحوس اور شر و عافت والا مہینہ نہ سمجھا جائے،بل کہ کامیابی والا اور با مراد نیز خیر کا مہینہ سمجھا جائے اور اس مہینے میں انجام دیے جانے والے کاموں کو نامراد اور منحوس سمجھنے کا تصور اور نظریہ ذہنوں سے نکل جائے۔

(ماہِ صفر اور توہم پرستی مفتی محمد رضوان)

آپ کے اشعار

جِن کے دامن میں کچھ نہیں ہوتا
اُن کو سینوں میں پیار دیکھا ہے!
ساغرؔ صدّیقی

میں تیرا گھر سمجھ کے سرِ راہ گر پڑا
دیکھا جو آنکھ اُٹھا کے تو دروازہ دُور تھا!
محمد علی جوہرؔ

خاموش ہیں ،گو شیشۂ دِل چُور ہوئے ہیں
اَشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں!
میر انیسؔ

تنگ ہیں ہم پَر زمین و آسماں
چل کہیں اے دِل! مگر اے دِل کہاں؟
رئیسؔ امروہی

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لوآپ اپنے دام میں صَیّاد آگیا!
مومن خاں مومنؔ

یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا
کہ اَب نِگاہ میں عبرت نہیں ذرا باقی!
اصغرؔ گونڈوی

کہو کرے گا حِفاظت مِری ،خُدا میرا
رہوں جو حق پہ،مخالف کریں گے کیا میرا!
اکبرؔ اِلٰہ آبادی

اے ذوقؔ گرمِ ہے ہوش تو دنیا سے دور بھاگ
اس مَیکَدہ میں کام نہیں ہوشیار کا!
ذوقؔ

ایمان کی حفاظت کرو

معلوم نہیں اللہ کہ وہ کون بندے تھے،جو اس ملک میں آئے اور جن کی بدولت آج تم مسلمان ہو۔ہم ان کا نام نہیں جانتے ،مگرہم ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ہمیں ان کا نام جاننے کی کچھ ضرورت نہیں اور ان کو اپنا نام ہمیں بتانے کی بالکل ضرورت نہیں۔انھوں نے جس کے لیے کیا تھا ،وہ ان کو ان کے عمل کا انعام دے گا اور ان کے عمل کا انعام دے رہا ہے،لیکن ہم کو اور تم کو شکر کرنا چاہیے کوئی بھی ذریعہ بنا ،اللہ نے ہم کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی،اس دولت کو قائم رکھنا،اس دولت کو پھیلانا اور باقی رکھنا اور اپنی آئندہ نسلوں تک اس دولت کو منتقل کرنا تمہارا فرض ہے۔بے شک کھاؤپیو،بے شک دکانیں کرو،بیشک خوب کماؤ اور تجارت کرو،کوئی تم کو نہیں روکتا،لیکن تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس توحید کا وارث بناؤ۔ تم پر تمہارا سب سے بڑا ظلم ہوگا،تمہاری یہ خود کشی اور نسل کشی ہوگی،اگر تم اپنی اولاد کو اس دولت سے محروم رکھو اور محروم دیکھو،اللہ نے تم کو جو دولت عطا فرمائی ہے ،اپنی اولاد کو یہ دولت عطا کرو۔ان کو اسلامی تعلیم دو،ان کو اللہ اور اس کے رسول کی پہچان کراؤتوحید کی محبت ان کے دل میں بٹھاؤ،اسلامی تہذیب سے عشق اور اسلامی تہذیب سے وابستگی اور اسلامی تہذیب سے شیفتگی ان کے اندر پیدا کرو،ان کو بتاؤ کہ اسی پر جینا بھی ہے اوراسی پر مرنا بھی ہے۔

"وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔"

آدمی اگر خدا نخواستہ کفر کے ساتھ گیا ،جہالت کے ساتھ گیا،ایمان سے محروم چلا گیاتو اس کی بد بختی اور اس کی محرومی ہمیشہ قائم رہے گی۔فاقہ ایک دن کا ہوتا ہے،دودن کا،لیکن یہ روحانی فاقہ ایسا ہے،جس کی کبھی روزہ کشائی نہیں،یہ جسم کا روزہ شام کو افطار ہوجاتا ہے،اس کا ایک دن میں نہ ہو،دوسرے دن افطار ہوجاتا ہے،لیکن اگر خدا نخواستہ روح کا روزہ ہے،روح کا فاقہ ہے،اس کا افطار کہیں نہیں،اپنی اولاد کو سب سے بڑا تحفہ جو دے سکتے ہو،سب سے بڑا ان کا حق جو تم پر ہے اور سب سے بڑا ذمہ جو ان کا تمہارے ذمہ ہے،وہ ہے ان کو صحیح اسلامی تعلیم دینا۔اس کے لیے مدارس ہیں،اس کے لیے مکاتب ہیں،اس کے لیے اسلامی تعلیم گاہیں بھی ہیں،اس کے لیے صحبتیں ہیں،اس کے لیے تبلیغ ہے،اس کے لیے خانقاہیں ہیں، اس کے لیے اللہ کے بندے ہیں،عالم ہیں،درویش ہیں،سب اسی لیے ہے کہ ایمان کی دولت باقی رہے اور ایمان کی دولت ہمارے ساتھ ہو جائے۔

مولانا سید ابو الحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ

باتیں آپ کی

خط : مدیر صاحب! آپ کا یہ اکتوبر کا شمارہ بڑا دل چسپ اور اعلیٰ معیار کا ہے۔اس کے تمام مضامین بہت زبردست ہیں۔خاص طور پر شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ''اسلامی معاشرے کی پہچان''۔ مضمون کو پڑھ کر مجھے فکری اور نظریاتی اعتبار سے بڑا فائدہ ہوا۔الحمد للہ! شیخ صاحب کے اس مضمون نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیے اور حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر میرے سامنے آگئی۔اسی لیے میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ اکابرین کے اس طرح کے مضامین کو زیادہ سے زیادہ شائع کیا کیجیے،تاکہ ہماری فکریں اور مزاج آزاد اور اسلامی بن جائیں۔دعا ہے اللہ تعالیٰ فہم دین کو اسی طرح بلندی کی راہ پر گامزن رکھے اور یہ عروج کی منزلیں طے کرتا دن دُگنی، رات چگنی ترقی کرے۔آمین! والسلام

مرسلہ : محمد سُدَیس، کراچی

جواب : جی ضرور! لیکن ایک بات تو بتائیں، کہیں ہم سے ناراض تو نہیں۔آپ کے پہلے جملے ''آپ کا یہ اکتوبر کا شمارہ'' سے تو یہی لگ رہا ہے۔کیوں قارئین؟ یہ تو ہم سب کا ہے نا!

جواب : جی اس شمارے کے صفحہ نمبر 26 پر ملاحظہ فرمالیں۔

ملاقات : فہم دین کے ایک چاہنے والے محمد اسحاق حسن زئی ہمارے دفتر تشریف لائے۔ کہنے لگے : اکتوبر کا ٹائٹل بہت اچھا لگا، ٹائٹل پر ''ہندی کی ماں اور اردو زباں'' دیکھتے ہی پہلے تو کان کھڑے ہوگئے، پھر پورا اداریہ پڑھنے پر مجبور ہو گئے۔پڑھنے پر پتا چلا کہ ہندی کی ماں کس بلا کا نام ہے۔

جواب : رسالے کو سراہنے پر شکریہ! باقی نام کے چناؤ میں ایک خاص بات پیشِ نظر تھی، وہ یہ کہ اگرچہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے تو ہندی اور انگریزی میں مشرق و مغرب کا فرق ہے، لیکن ہماری قومی زبان اردو سے ہمیں دور کرنے کے اعتبار سے متحدہ ہندوستان میں جو کام ہندی زبان نہ کر سکی، آج اس سے کہیں آگے بڑھ کر وہ کام انگریزی زبان کر رہی ہے تو اس المیے کا اظہار اس نام میں کیا ہے۔

خط : استاد جی! بندہ حقیر، فقیر، پُر تقصیر، ناچیز آپ کے حضور میں یہ بات حاضر کرتا ہے کہ آپ کی نشست پر یہ خطوط کتابیں اور دیگر اشیا ایک مدیر کا پتا دیتی ہیں، لیکن جگہ کا صحیح رہنا بھی ضروری ہے۔استادِ محترم! پرنٹر کے پاس پرچے ڈھیر لگائے بیٹھے ہیں اور مقدس اوراق کی ٹوکری ان پرچوں کے لیے آوازیں دے رہی ہے۔اس کی آواز کو سُنا جائے اور پرچوں کو بُلاوے پر بھیجا جائے۔دُعا ہے مریضِ روحانی، طبیبِ روحانی سے شفا پاتا رہے۔جزاکم اللہ والسلام!

مرسلہ : حمزہ زاہد، میٹرک جامعہ بیت السلام کراچی

جواب : یہ ایک طالب علم کا خط ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے مدیر کی میز پر کتابوں اور صفحات کو ترتیب دینے کا کام اپنے شوق سے کرتا رہتا ہے۔اس خط کو شائع کرنے کا مقصد ایک تو تحریر کا واقعی قابلِ تعریف ہونا ہے اور دوسرا آپ کو یہ دِکھلانا تھا کہ ہم اتنی جلدی آپ کی تحریریں اُس ''ٹوکری'' کی نظر نہیں کرتے، جسے آپ ''بے درد مدیر کی ردی کی ٹوکری'' کہتے ہیں اور ہم مقدس اوراق کی۔

PUE

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی
اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

نومبر 2017ء بمطابق صفر المظفر 1439ھ

تلہ گنگ: بیت السلام اولمپیاڈ مقابلے، میزبان 21 پوزیشنوں کے ساتھ پہلے نمبر پر

اختتامی تقریب میں راول پنڈی سے سیشن جج، مقامی ایم پی اے، نمل یونی ورسٹی کے 4 پروفیسر اور علاقے کے ایس پی بھی شریک ہوئے

قوموں کی ترقی نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی وحدت سے ہوا کرتی ہے :رئیس الجامعہ مولانا عبد الستار حفظہٗ اللہ کا اختتامی تقریب سے خطاب

تلہ گنگ (نمائندہ خصوصی) بیت السلام اولمپیاڈ مقابلوں میں میزبان ادارہ جامعہ بیت السلام 21 پوزیشنوں کے ساتھ پہلے نمبر پہ آیا۔ یہ مقابلے 18 ستمبر کو شروع اور 24 ستمبر کو اختتام پذیر ہوئے۔ 32 اداروں کے طلبہ نے شرکت کی' ایونٹ 11 اکیڈمک اور 4 اسپورٹس مقابلوں پہ مشتمل رہا۔ اختتامی تقریب میں معززین علاقہ کے علاوہ راول پنڈی سے سیشن جج ' مقامی ایم پی اے' نمل یونی ورسٹی کے 4 پروفیسر حضرات' علاقائی ایس پی بھی شریک ہوئے ' تقریب صبح ساڑھے نو بجے سے دوپہر ایک بجے تک جاری رہی۔ جس میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات دیے گئے۔ 7 روز تک جاری رہنے والے اولمپیاڈ مقابلوں کے لیے مختلف کمیٹیاں بنائی گئی تھیں' جنہوں نے اپنی اپنی ذمے داریاں بڑی خوب صورتی سے نبھائیں' اس پورے ایونٹ کے سربراہ جامعہ کے شعبہ عصری علوم کے انچارج جناب ذیشان احمد تھے ' ان کے ساتھیوں میں جناب عمران ' جناب وسیم ' مولانا عبدالرب ' مولانا حامد' جناب فیاض احمد' جناب انیق احمد ' جناب عارف صاحبان شامل تھے ۔ شرکت کرنے والے اداروں کے ذمے داران کے علاوہ' مہمانان گرامی اور معززین علاقہ نے اچھے انتظامات پہ مبارک باد دی۔ منتظمین نے اولمپیاڈ مقابلوں کے اسپانسر ہش پپیز اور برائٹو پینٹس کا شکریہ ادا کیا' جن کے تعاون سے اتنا بڑا ایونٹ منعقد ہو سکا۔ دریں اثنا اختتامی تقریب کے مہمان خصوصی رئیس الجامعہ مولانا عبدالستار حفظہٗ اللہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا: قوموں کی ترقی نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی وحدت سے ہوا کرتی ہے' وہ قومیں ہمیشہ منتشر رہتی ہیں جن کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم افراتفری کا شکار رہے اور وہ اس بابت متفق نہ ہو سکیں' ان کا کہنا تھا' ہمارے اکابر نے پاکستان میں ایک نظام تعلیم اور ایک ہی نصاب تعلیم کے لیے بہت کوشش کی لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا' تاہم مدارس اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے ان شاء اللہ

بیت السلام ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے پراجیکٹ اسکول پارٹنر شپ کا آغاز کر دیا گیا

نوشہرو فیروز ، بند مراد ، (حب چوکی) اور کراچی کے علاقے کورنگی کے ایک ایک اسکول کی رجسٹریشن مکمل کر لی گئی

کراچی (پ ر) بیت السلام ایجوکیشنل فاؤنڈیشن نے اپنے پراجیکٹ اسکول پارٹنر شپ پروگرام کا آغاز کر دیا ہے' اس پروگرام کے تحت نوشہرو فیروز' حب چوکی اور کراچی کے علاقے کورنگی میں ایک ایک اسکول کا وزٹ کیا اور انہیں اپنی پالیسی کے مطابق پاتے ہوئے رجسٹر کر لیا۔ یاد رہے اس پروگرام کے تحت پسماندہ علاقوں کے اسکولوں کو مفت انتظامی اور تدریسی تربیت فراہم کی جاتی ہے۔

جامعہ بیت السلام کراچی کے مسابقہ فی التجوید 380 طلبہ شریک ہوئے

پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو سہ ماہی امتحان کے بعد اعزازات کی تقریب میں انعام میں دیا جائے گا

کراچی (پ ر) جامعہ بیت السلام لنک روڈ کراچی کے دوسرے مسابقہ فی التجوید کے دونوں مرحلے مکمل ہوگئے۔ اس مسابقے میں کل 380 طلبہ نے حصہ لیا' جن میں 300 طلبہ حافظ تھے اور 80 طلبہ غیر حفاظ' طلبہ کی عمروں کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کی گئی تھی' چھوٹی عمر کے طلبہ ' درمیانی عمر والے اور نوجوان طلبہ ۔ حتمی مرحلے میں حفاظ اور غیر حفاظ طلبہ میں سے انعام کے حق دار 3 '3 طلبہ کو یہ انعام سہ ماہی امتحان کے بعد ہونے والی تقریب کے موقع پہ دیا جائے گا۔ یاد رہے کہ مولانا ذیشان صاحب مختلف حجازی لہجوں میں طلبہ کو تلاوت کی مشق کرواتے ہیں' طلبہ کا ذوق و شوق دیدنی ہوتا ہے۔

pg47
J.

Brighto
Inspired by Nature
Regd. # MC-1366
Brighto
STAIN FREE
EASY WIPE
اب دیواریں رہیں
صاف شفاف
بِنا رنگ اُڑائے!
Brighto
PAINTS
brighto.paints
Toll Free 08000-1973
www.brightopaints.com